ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی ’’تفہیمِ بالِ جبریل‘‘ کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of Dr. Khawaja Muhammad Zakaria's "Tafhim-e-Baal-e-Jibreel".

ذی شان تبسم [i]

Abstract:

Dr. Khawaja Muhammad Zakaria is considered as the best teacher of Urdu language and literature, prominent researcher, writer and Sahib al-Rai critic, as well as among the notable commentators and commentators of Allama Iqbal. He continued the work of interpretation and interpretation of the word. "Baal Jibreel" is the second collection of Urdu poetry by Allama Iqbal and is of immense importance. Several interpretations of this collection have been published so far, but there was a need for a rate in which the words of Iqbal should be correctly interpreted in accordance with the spirit of avoiding unnecessary length and brevity. Unlike the previous commentaries, I did not use unnecessary long words, nor did I present my personal beliefs and concepts in the understanding of Iqbal's speech, rather, he presented Iqbal's text in a clear and transparent style with appropriate explanation according to his understanding. The most important quality of this understanding is its balance. Khawaja Zakaria is not a Madrasah critic, but he understood the students' poetry. The ability of this has been put forward, while the use of this understanding is also arranged for trained tastes, that is why the third edition of this rate has been published in a short time. This paper has highlighted the aspect that this rate is full of uniqueness and rarity even while making use of tradition.

Keywords: *Allama Iqbal, Sharh Kalam-e-Iqbal, Bal-e-Jibreel, Dr. Khawaja Muhammad Zakaria, Urdu Poetry, Urdu Criticism.*

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا شماراردو زبان و ادب کے جید استاد، ممتاز محقق ومدون اور صاحب الرائے نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے قابل ذکر مفسرین و شارحین میں بھی ہوتا ہے۔انھوں نے مختلف رسائل و جرائد کے ذریعے اقبال کے اردو و فارسی کلام کی تعبیر و تشریح کا کام برابر جاری رکھا۔ ’’بال جبریل‘‘ علامہ اقبال کا دوسرا اردو شعری مجموعہ ہے اور بوجوہ بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ اس مجموعے کی اب تک متعدد شروح سامنے آ چکی ہیں تاہم ایک ایسی شرح کی ضرورت موجود تھی جس میں غیر ضروری طوالت و اختصار سے بچتے ہوئے کلام اقبال کی روح کے مطابق درست ترجمانی کی جائے۔خواجہ محمد زکریا نے ’’تفہیم بال جبریل‘‘ میں سابقہ شروح کے برعکس نہ بے جا طول کلامی کی، نہ کلام اقبال کی تفہیم میں ذاتی عقائد و تصورات کو پیش کیا بلکہ انھوں نے صاف شفاف اسلوب میں متنِ اقبال کو اپنی فہم کے مطابق مناسب وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔ اس تفہیم کی سب سے اہم خوبی اس کا توازن ہے۔شارح کے ہاں جس اعلی ذوق، شعر فہمی اور ابلاغ کی صلاحیت کا ہونا ضروری ہے یہ سب صفات خواجہ زکریا کے ہاں موجود ہیں، وہ مدرسانہ نقاد نہیں مگر انھوں نے طلبا کی شعر فہمی کے استعداد کو سامنے رکھا جب کہ تربیت یافتہ اذواق کے لیے بھی اس تفہیم سے استفادہ کا اہتمام ہے، اسی لیے مختصر وقت میں اس شرح کا تیسرا ایڈیشن شائع ہو چکا ہے۔ اس مقالے میں اس پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے کہ روایت سے استفادہ کرتے ہوئے بھی یہ شرح انفرادیت اور ندرت سے بھرپور ہے۔

کلیدی الفاظ: علامہ اقبال، شرح کلامِ اقبال، بالِ جبریل، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اردو شاعری، اردو تنقید۔

---

[i] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، دی اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور

"بالِ جبریل" علامہ اقبال کا دوسرا اُردو شعری مجموعہ ہے جو "بانگِ درا" کی اشاعت (۱۹۲۴ء) کے گیارہ سال بعد شائع ہوا۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی (۱۸۹۵ء۔۱۹۸۴ء) نے درست طور پر اسے اقبال کی "مقبول ترین تصنیف" اور ان کے تمام مجموعہ ہائے اُردو کلام کا "گلِ سر سبد" قرار دیا ہے۔[۱]

"بالِ جبریل" پہلی مرتبہ معروف اشاعتی ادارے تاج کمپنی، لاہور کے زیر اہتمام جنوری ۱۹۳۵ء میں، دس ہزار کی کثیر تعداد میں شائع ہوا۔[۲] اقبال کا یہ شعری مجموعہ ان کی حیاتِ مستعار میں محض ایک مرتبہ ہی چھپ سکا۔ "بالِ جبریل" کا دوسرا ایڈیشن ان کی وفات کے تین سال بعد مئی ۱۹۴۱ء میں طبع ہوا۔ اقبال کے مخلص ساتھی چودھری محمد حسین نے اس اشاعتی منصوبے کی نگرانی کی۔ ۱۹۷۳ء میں "کلیاتِ اقبال اُردو" کی اشاعت تک "بالِ جبریل" کے تیس (۳۰) ایڈیشن شائع ہو چکے تھے، جس سے قارئینِ اقبال میں اس مجموعے کی زبردست پذیرائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بعد ازاں جب اپریل ۱۹۸۸ء میں اقبال کی وفات کے پچاس سال بعد "کاپی رائٹ ایکٹ" کے تحت "حقوق اشاعت محفوظ" کی پابندی ختم ہوئی تو متعدد ناشرین نے اوپر تلے کلامِ اقبال کی اشاعت شروع کر دی۔ دریں اثنا "بالِ جبریل" کے کتنے ایڈیشن شائع ہوئے اس کا شمار بھی اب ممکن نہیں رہا۔

"بالِ جبریل" اگرچہ تین اصنافِ شعر؛ غزلیات، رباعیات اور منظومات پر مشتمل ہے تاہم اس میں حصہ غزلیات اور حصہ رباعیات کے آخر میں ایک، ایک قطعہ بھی موجود ہے۔ "بالِ جبریل" میں جہاں اقبال نے اپنے تصوراتِ خاص یعنی خودی و بے خودی، حیاتِ فرد وملت، عقل و عشق، علم و فقر، تعبیراتِ مذہب وکائنات کو پیش کیا ہے وہاں اپنے تغزل اور بے پناہ شعریت کی وجہ سے بھی یہ مجموعہ چیزے دگر تصور کیا جاتا ہے۔ اس مجموعے میں شامل غزلیات رفعتِ تخیل، موضوعاتی عظمت، رمز وایما، تغزل اور بلاغت کے سبب اُردو کی شعری روایت میں ایک شان دار اضافہ ہیں۔ اقبال کے بارے میں یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ وہ جس طرزِ خاص کے مالک ہیں اس کے وہ خود ہی موجد تھے اور خود ہی خاتم۔ ان کی شاعری مواد اور ہیئت کی ایسی پُر لطف ترکیب بن گئی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی اور "بالِ جبریل" اقبال کا وہ شعری مجموعہ ہے جہاں ان کی فکر اور فن درجۂ کمال پر نظر آتے ہیں۔ خواجہ محمد زکریا کے مطابق:

"بالِ جبریل میں مابعد الطبیعیات فلسفیانہ مسائل، تصوف کی اصطلاحات، جدید

سائنسی نظریات سے استفادہ، عالمی تاریخ، سیاسیات اور معیشت کی طرف بلیغ
اشارے... غرض کہ دقائق کے بہت سے پہلو موجود ہیں۔" [۳]

ان 'دقائق' کی تفہیم آسان نہیں اور یہ عام قارئینِ ادب کے ساتھ ساتھ علمی اذواق کے لیے بھی ایک بڑا امتحان ہے، یہی وجہ ہے کہ متنی مشکلات کے ازالے کے لیے "بالِ جبریل" کی شرحیں لکھنے کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے اور اب تک اس شعری مجموعے کی متعدد شرحیں منصہ شہود پر آچکی ہیں جن میں سے قابلِ ذکر درج ذیل ہیں:

۱۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی: "شرح بالِ جبرئیل" (۴)، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، س۔ن، (۵)
۲۔ مولانا غلام رسول مہر: "مطالب بالِ جبریل"، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۵۶ء
۳۔ نشتر جالندھری: "موج سلبیل... شرح بالِ جبریل"، حاجی فرمان علی اینڈ سنز، س۔ن
۴۔ محمد عبدالرشید فاضل: "شرح بالِ جبریل"، ادارہ تنویراتِ علم وادب، کراچی، ۱۹۷۰ء
۵۔ عارف بٹالوی: "شرح بالِ جبریل"، نیو لک پیلس، لاہور، ۱۹۷۸ء
۶۔ فیض محمد فیض لدھیانوی: "لذتِ پرواز... شرح بالِ جبریل"، آزاد بک ڈپو، لاہور، ۱۹۹۴ء
۷۔ اسرار زیدی باشتراک نثار اکبر آبادی: "متن وشرح بالِ جبریل"، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور، س۔ن
۸۔ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی: "شرح بالِ جبریل"، بک کارنرز، جہلم

کلامِ اقبال کے شارحین میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شخصیت خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ نہ صرف اقبال کے اوّلین شارح ہیں بلکہ انہیں یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے اقبال کی تمام فارسی اور اُردو شعری تصانیف کی شروح لکھی ہیں۔ وہ "بالِ جبریل" کے بھی پہلے شارح ہیں۔ یوسف سلیم چشتی کو چودہ سال تک (۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۸ء) علامہ اقبال کی صحبت سے مستفید ہونے اور براہِ راست نیاز مندی کا بھی شرف حاصل رہا۔ (۶) وہ اقبال کی جہاد سے محبت، انگریز سے نفرت اور دعوتِ قرآن سے بے حد متاثر تھے اور اسی لیے انھوں نے اقبال کے کلام کی نشرواشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ (۷) یوسف سلیم چشتی سمجھتے تھے کہ اقبال کے غیر معمولی افکار وخیالات کو نسلِ نو تک پہنچانا عین عبادت ہے۔ اسی لیے ان کے لفظوں میں:

"میں نے یہ مناسب سمجھا کہ طلبہ کے لیے عام فہم شرح لکھ دوں تاکہ اقبال فہمی

میں کچھ سہولت پیدا ہوسکے۔" (۸)

اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ ان کے ہاں بعض کمزوریاں بہت نمایاں ہیں جن کی نشان دہی ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے اپنے دو مختلف مضامین میں کی ہے۔ ان کے اعتراضات کے اہم نکات کچھ اس طرح ہیں :

۱۔ وہ بلاوجہ متعدد اشعار کو کھینچ تان کر تصوف کی طرف لے جاتے ہیں حالانکہ لفظیات میں تصوف کی معنویت کا قرینہ موجود نہیں ہوتا۔

۲۔ بعض اوقات ان کی شرح بہت دور از کار اور قطعی غیر متعلق ہو جاتی ہے۔ وہ شعر کو چھوڑ چھاڑ کر طویل طویل غیر متعلق باتوں میں اُلجھ جاتے ہیں۔

۳۔ ان کے ہاں دقیق اصطلاحات کی بھرمار نظر آتی ہے مگر قاری جب تک خود ایک اعلیٰ علمی سطح پر فائز نہ ہو، ان کی وضاحتوں کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔

۴۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اشعار کو معروضی طریقے سے نہیں سمجھ سکتے اور لفظیات اور علائم ورموز سے ہٹ کر من مانی تشریحات شروع کر دیتے ہیں۔

۵۔ تمام تر شرح و بسط کے باوجود بعض دقیق اشعار کی وضاحت انتہائی سرسری انداز سے کرتے ہیں اور مفہوم قاری تک نہیں پہنچ پاتا۔

۶۔ بعض اوقات ایک ایک شعر کی شرح کئی کئی صفحات پر پھیل جاتی ہے۔ (مثلاً "بالِ جبریل" کی پہلی غزل کے مطلع کی شرح ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے) مگر جہاں سمیٹنے پر آتے ہیں وہاں پوری پوری نظمیں گول کر جاتے ہیں۔

۷۔ ان کی شرحوں میں کئی تکنیکی خامیاں ہیں۔ (۹)

ڈاکٹر اختر النساء کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ یوسف سلیم چشتی "بعض مواقع پر شارح کی بجائے واعظ کا روپ دھار لیتے ہیں اور شرح اشعار کو چھوڑ کر طویل وعظ اور غیر ضروری تبصرہ شروع کر دیتے ہیں۔" (۱۰) ان تمام تر کمزوریوں سے قطع نظر یوسف سلیم چشتی کو شارحینِ اقبال میں بلند مقام حاصل ہے۔ وہ کلامِ اقبال کے اوّلین شارح تھے اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی یہ رائے بہت صائب ہے کہ "ان کی شرحوں سے اقبال فہمی کا ایک شعور پیدا ہوا۔" (۱۱)

مولانا غلام رسول مہر کی "مطالبِ بالِ جبریل" ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔ ان کے نزدیک علامہ اقبال کا جو مقام و مرتبہ تھا اس کا اندازہ محض اس ایک جملے سے ہو سکتا ہے:

"چند روز حضرت کی خدمت میں گزار کر اندازہ ہوا کہ دینِ حق کیا ہے اور اس کا مقصود کیا ہے۔" (۱۲)

مولانا مہر کو قریب سولہ سال تک اقبال سے قربِ مسلسل حاصل رہا۔ ان کے اپنے لفظوں میں:

"۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۲ء تک قریب ہر روز ان کی بابرکت خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی تھی۔ عموماً چار پانچ گھنٹے ان کے پاس گزرتے تھے۔ بعض اوقات متواتر گیارہ گیارہ گھنٹے بھی گزارے۔" (۱۳)

اس تعلقِ خاطر اور براہِ راست استفادے کی وجہ سے مولانا مہر سے قارئینِ اقبال کی توقعات بہت کچھ بڑھ جاتی ہیں تاہم خواجہ محمد زکریا کے لفظوں میں "مطالب بالِ جبریل" بھی، "اقبالیات کے قاری کی توقعات پر پوری نہیں اُترتی، بلکہ بعض مقامات پر چشتی کی شرح کی برابری بھی نہیں کر سکتی۔" (۱۴)

مولانا مہر کی شرح کی سب سے بڑی خوبی اختصار بتائی جاتی ہے تاہم ڈاکٹر شفیق احمد اس اختصار کو ہی "مطالب" کے سارے سلسلے کا عام نقص قرار دیتے ہیں۔ (۱۵) "مطالبِ بالِ جبریل" میں اختصار کا یہ عالم ہے کہ مولانا بہت سے اشعار کی شرح کرنے کی بجائے شعر کو آسان نثر کا پیرایہ فراہم کر کے قاری کی مشکلات سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ مثلاً "بالِ جبریل" کی ایک غزل کے مطلع:

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ

کی تشریح مولانا مہر نے کچھ اس طرح کی ہے:

"تاج، تخت اور سپاہ فقر کے کرشمے ہیں۔ فقر سرداروں کا سردار اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔" (۱۶)

"مطالب بالِ جبریل" میں شرح کی عام صورت حال کم و بیش یہی ہے۔

نشتر جالندھری، کا شمار معروف شارحین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے حافظ شیرازی اور غالب کے

علاوہ میر انیس، سودا، مومن اور ذوق کے منتخب کلام کی شرحیں بھی تحریر کی۔ انھوں نے اقبال کے مجموعہ ہائے کلام میں سے صرف ''بالِ جبریل'' کی شرح ''موج سلسبیل'' کے عنوان سے لکھی۔ یہ شرح یوسف سلیم چشتی کی شرح کے بعد اور مہر کی 'مطالب' سے پہلے تحریر ہوئی۔ یہ شرح بھی بہت مختصر ہے اور ''بعض اوقات تو اس پر ترجمے کا عنصر غالب رہتا ہے... وہ شاعر کے کلام میں موجود پورا فلسفہ اور تمام سمتیں ہمارے سامنے نہیں لاتے بلکہ زیادہ تر صرف سامنے کے مطالب ہی بیان کرتے ہیں۔'' (۱۷)

محمد عبدالرشید فاضل کی ''شرح بالِ جبریل'' (۱۹۷۰ء) اگرچہ متوازن اور رطب ویاس سے پاک ہے تاہم یہ بڑی حد تک روایتی ہے اور شرح نویسی کے جدید شعور سے بے بہرہ ہے۔

عارف بٹالوی کی ''شرح بالِ جبریل'' (۱۹۸۵ء) بھی بڑی حد تک روایتی اور بے حد مختصر ہے۔ اس شرح پر عدم توجہی اور عجلت پسندی کا گمان ہوتا ہے۔

فیض محمد فیض لدھیانوی نے ''بالِ جبریل'' کی شرح ''لذتِ پرواز'' (۱۹۹۴ء) کے عنوان سے لکھی۔ یہ اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس میں کاپی رائٹ ایکٹ کی پابندی کے خاتمے کے بعد متن کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ تاہم یہ شرح بھی کمزوریوں سے پاک نہیں۔ اس میں بھی بے جا اختصار سے کام لیا گیا ہے اور اکثر مقامات پر تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ دیگر شروح کے مقابلے میں اس شرح کا معیار کم تر ہے۔

اسرار زیدی کی ''متن و شرح بالِ جبریل'' سے قبل چھ شروح لکھی جا چکی تھیں تاہم اسرار زیدی نے ان سے کماحقہ' استفادہ نہیں کیا۔ انھوں نے بہت کم وضاحتی انداز اختیار کیا ہے اور اس شرح میں بھی جدت اور انفرادیت کی شدید کمی کا احساس ہوتا ہے۔ نثار اکبر آبادی نے البتہ متن میں موجود مشکل الفاظ اور تراکیب کے معانی محنت سے فراہم کیے ہیں۔

پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کی ''شرح بال جبریل'' تدریسی نوعیت کی ہے اور محض طلبہ کی ضروریات کو پیشِ نظر رکھتی ہے۔ اس میں سابقہ شروح سے استفادے کا عنصر غالب ہے۔

''بالِ جبریل'' کے شارحین میں قدرے نیا مگر وقیع نام ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا بھی ہے۔ انھوں نے اس مجموعۂ کلام کی شرح ''تفہیم بالِ جبریل'' کے عنوان سے لکھی اور یہ پہلی مرتبہ ۲۰۰۲ء میں بزمِ اقبال، لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ ''تفہیم بالِ جبریل'' کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۳ء میں مذکورہ ادارے کے

تحت ہی منصہ شہود پر آیا۔اس کے دوسطری دیباچے میں خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> ''اشاعتِ ثانی میں کمپوزنگ کی بعض اغلاط درست کر دی گئیں اور بعض اشعار کی شرح میں جزوی ترمیم بھی کی گئی ہے۔'' (۱۸)

''تفہیم بالِ جبریل'' کا پہلا ایڈیشن بڑی تقطیع کے ۴۲۸ صفحات پر مشتمل تھا جب کہ سرورق، پیش لفظ اور فہرست کے بارہ صفحات ان کے علاوہ ہیں۔دوسرے ایڈیشن میں بھی صفحات کی تعداد میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہے۔ گویا جزوی ترامیم کی تعداد برائے نام ہے اور یہ زیادہ تر لفظی نوعیت کے ہیں۔

''تفہیم بالِ جبریل'' پر کام کا آغاز قیامِ جاپان کے زمانے (۱۹۹۵ء۔۱۹۹۹ء) میں ہوا۔اس دوران میں کم از کم حصہ غزلیات کی شرح کا کام مکمل ہو گیا تھا۔(۱۹) ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے مطابق ''جاپان میں حوالے کی کسی کتاب تک میری رسائی نہیں تھی، اس لیے میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے لیے مکمل طور پر اپنی یاد داشت پر انحصار کیا ہے۔'' (۲۰) تاہم نظر ثانی کے دوران انھوں نے یقینا دیگر شروح کو ملاحظہ کیا اور ضرورت کے مطابق ان سے استفادہ بھی کیا ہے۔ خواجہ محمد زکریا کی ''تفہیم بالِ جبریل'' سے ما قبل ''بالِ جبریل'' کی سات (۷) شروح شائع ہو چکی تھیں۔ان سب کے ہوتے ہوئے ایک نئی شرح کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟اس کا جواب خواجہ محمد زکریا کے مضمون ''بالِ جبریل کی ایک اور شرح کی ضرورت'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مختصراً یہ کہ وہ کسی بھی شرح کو سائنٹفک اور اطمینان بخش نہیں سمجھتے۔ زیادہ تر شروح روایتی ہیں اور حشو و زوائد کے عیب سے بھری ہوئی ہیں۔اقبال کے کلام کی تفہیم کے لیے شارح میں جس قابلیت کا ہونا ضروری ہے اس کی صورتِ حال بھی انہیں اطمینان بخش نہیں لگتی۔خواجہ محمد زکریا نے اس کام کا بیڑا کیوں اُٹھایا؟اس کی دو وجوہ وہ خود بیان کرتے ہیں:

> ''اوّل یہ کہ میں گزشتہ چالیس برسوں سے کلامِ اقبال کا ایک سنجیدہ قاری رہا ہوں۔ میں نے خصوصاً بالِ جبریل کو اتنی مرتبہ پڑھا ہے کہ یہ مجھے تقریباً زبانی یاد ہو چکی ہے۔ دوم یہ کہ میں فرصت کے لمحات میں اسی کی مشکلات کو آپ سے آپ غور و فکر کر کے سلجھانے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔'' (۲۱)

وہ دیگر شارحین کے مقابلے میں یوسف سلیم چشتی اور مولانا غلام رسول مہر کو بہتر سمجھتے ہیں تاہم

ان حضرات کی شروح میں بھی انہیں توازن کی شدید کمی کا احساس ہوتا ہے۔خواجہ محمد زکریا کے مطابق:

> ”چشتی کے ہاں بعض اشعار کی وضاحت بڑی عالمانہ ہے مگر بعض اشعار کو بالکل سرسری انداز میں نپٹا دیا گیا ہے۔علاوہ ازیں بعض توضیحات غیر ضروری طول کلامی کی ذیل میں آتی ہیں۔ مہر کے ہاں طول کلامی تو کہیں نہیں مگر اختصار اس قدر ہے کہ وضاحتیں تشنگی کا احساس دلاتی ہیں۔“ (۲۲)

خواجہ محمد زکریا نے اپنی ’تفہیم‘ کا جواز اسی عدم توازن کو قرار دیا ہے۔ان کے مطابق:

> ”میں نے کوشش کی ہے کہ توازن قائم کیا جائے لیکن توازن کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے چشتی اور مہر کے پیش پیش رہنے کی کوشش کی ہے بلکہ حسبِ ضرورت وضاحت یا اجمال سے کام لیا ہے۔“ (۲۳)

یہی توازن ”تفہیم بالِ جبریل“ کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ خواجہ محمد زکریا نے غیر ضروری مباحث میں اُلجھنے اور دور از کار نتائجِ فکر مرتب کرنے کی بجائے براہِ راست متن اور اس میں موجود معانی پر توجہ دی اور طول کلامی سے بچتے ہوئے ضرورت کے موافق اختصار یا مناسب وضاحت سے کام لیا۔

”تفہیم بالِ جبریل“ کے آغاز میں ایک ”فہرست“ مرتب کی گئی ہے۔ نو صفحات پر مشتمل اس فہرست کی ترتیب بڑی حد تک سائنٹفک ہے۔”بالِ جبریل“ کا پہلا حصہ ”غزلیات“ پر مشتمل ہے۔اقبال نے خود ان غزلیات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔حصہ ’الف‘ سولہ (۱۶) غزلیات پر مشتمل ہے جب کہ ’حصہ ب‘ میں شامل غزلیات کی تعداد اکسٹھ (۶۱) ہے۔خواجہ محمد زکریا نے غزلیات (حصہ الف) کا عنوان دے کر ہر غزل کا نمبر شمار دیتے ہوئے پہلا مصرع درج کر دیا ہے۔اسی طرح غزلیات (حصہ ب) کے عنوان کے تحت دیگر اکسٹھ غزلیات کا نمبر شمار از سرِ نو شروع کر کے پہلا پہلا مصرع درج کر دیا گیا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اقبال نے ”بالِ جبریل“ کی غزلیات کو دو حصوں میں کیوں تقسیم کیا؟ خواجہ محمد زکریا اس تقسیم کی وجہ ہر دو فصول میں موجود مزاج کے فرق کو قرار دیتے ہیں۔ان کے مطابق:

> ”غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں زیادہ تر مابعد الطبیعیاتی مسائل پر شعر کہے گئے ہیں (یعنی خدا، انسان، کائنات اور ان کا باہمی تعلق بالعموم پیش نظر رہا ہے۔) بعد

کی غزلیات میں رنگا رنگی زیادہ ہے اور بیشتر اشعار مابعد الطبیعیاتی مسائل کے علاوہ
دیگر معاملات کا احاطہ بھی کرتے ہیں۔" (۲۴)

"بالِ جبریل" کا دوسرا حصہ "رباعیات" پر مشتمل ہے۔ خواجہ محمد زکریا نے سابقہ حصے کی طرح تمام اکتالیس (۴۱) رباعیات کو ترتیب سے نمبر شمار دیتے ہوئے ہر رباعی کا پہلا مصرع درج کر دیا ہے۔ اقبال نے "بالِ جبریل" میں دو قطعات بھی شامل کیے ہیں جن میں سے ایک حصہ غزلیات 'الف' کے آخر میں درج ہے جب کہ دوسرا غزلیات حصہ 'ب' کے آخر میں آتا ہے۔ خواجہ محمد زکریا نے دوسرے حصے میں شامل قطعہ کو حصہ "رباعیات" کے آخر میں درج کر کے اس کی تفہیم کی ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ پہلے قطعے کے برخلاف یہ قطعہ رباعی کی طرح چار مصرعوں پر مشتمل ہے۔ اگرچہ اس کی بحر رباعی اور دوبیتی سے مختلف ہے۔ اس 'اجتہاد' سے اقبال کی اپنی مرتب کردہ "بالِ جبریل" کی ترتیب میں فرق پیدا ہو گیا ہے، جو میرے نزدیک زیادہ مناسب نہیں ہے۔

"بالِ جبریل" کا تیسرا حصہ 'منظومات' پر مشتمل ہے۔ اس حصے کے تحت "تفہیم بالِ جبریل" میں شامل اندراجات کی تعداد اکسٹھ ہے۔ اس کے مقابلے میں اقبال اکادمی پاکستان کے تحت شائع ہونے والی "کلیاتِ اقبال اُردو" (اشاعت ششم؛ ۲۰۰۴ء) میں شامل "بالِ جبریل" میں ۵۹ اندراجات درج ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلیات کے مرتبین نے ایک نظم "فرمانِ خدا (فرشتوں سے)" کا اندراج مستقل نظم کے طور پر نہیں کیا اور اسے "فرشتوں کا گیت" کا جز تصور کیا ہے۔ خواجہ محمد زکریا نے اسے عنوان دے کر ایک مکمل نظم تسلیم کیا ہے، بعینہٖ غلام رسول مہر نے بھی اسے جداگانہ عنوان کے تحت ہی درج کیا ہے۔ مزید ایک نمبر شمار کتابت کی غلطی کی وجہ سے بڑھ گیا ہے کہ فہرست میں نمبر شمار ۴۱ کے بعد نمبر شمار ۴۲ درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ اس غلطی کی وجہ سے نظموں کی تعداد نمبر شمار کی حد تک بڑھ گئی ہے۔ حیرت ہے کہ "تفہیم بالِ جبریل" کے دوسرے ایڈیشن میں بھی اس غلطی کی اصلاح ضروری نہیں سمجھی گئی۔ پروف ریڈنگ کی طرف کم توجہی کی دوسری مثال نظم "ابلیس کی عرض داشت" ہے جو فہرست میں "ابلیس کی غرض داشت" کے عنوان سے چھپ گئی ہے۔ اسی طرح "خوش حال خاں کی وصیت" اور "شاہیں" کے عنوانات میں "خان" اور "شاہین" کے الفاظ درج ہو گئے ہیں یعنی نون غنہ کی بجائے "نون" کتابت ہو گیا ہے۔ "بالِ

جبریل" کے حصہ "منظومات" کے آخر میں دو قطعات بھی شامل ہیں تاہم "تفہیم" کی فہرست میں ان کا اندراج بھی نہیں ہو سکا جب کہ ان میں سے محض پہلے قطعے (فطرت مری مانندِ نسیم سحری ہے) کی شرح ہی درج ہوئی ہے جب کہ آخری قطعہ (کل اپنے مریدوں سے کہا پیر مغاں نے) تفہیم میں سرے سے شامل ہی نہیں ہے۔اس فرو گزاشت سے قطع نظر یہ "بالِ جبریل" کی مکمل شرح ہے۔مذکورہ تسامحات کے باوجود "فہرست" میں باقاعدہ نمبر شمار کے تحت تمام مشمولات کے اندراج نے قاری کے لیے سہولت پیدا کر دی ہے اور وہ بہ آسانی اپنی مطلوبہ غزل، رباعی یا نظم کی شرح دیکھ سکتا ہے۔

"تفہیم بالِ جبریل" کا عام انداز اور طریق کار مقتدمین شرح نگاروں سے بہت مختلف نہیں۔خواجہ محمد زکریا، اشعار کی شرح سے پہلے غزل اور رباعی کا نمبر شمار یا نظم کا عنوان جلی حروف میں درج کرتے ہیں پھر ترتیب سے ہر شعر کا متن دیتے اور پھر مشکل الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم پر روشنی ڈالتے ہیں۔اس کے بعد شعر کی تشریح کا مرحلہ آتا ہے۔اس سارے عمل میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔

خواجہ محمد زکریا، تفہیم شعر میں لغت کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ان کی زندگی درس وتدریس میں گزری اور وہ طلباء اور عام قارئین کی علمی استعداد سے بخوبی واقف ہیں۔انہیں ادراک ہے کہ اکثر اشعار محض اس لیے ناقابلِ فہم رہ جاتے ہیں کہ متن میں موجود کسی لفظ کا مفہوم قاری پر واضح نہیں ہوتا اور اگر وہ کلیدی لفظ ہو تب تو معانی کی گرہ کشائی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی جن کا شمار اُردو کے بہترین شارحین میں ہوتا ہے وہ تفہیم شعر میں لغت پر بے حد اصرار کرتے ہیں۔ان کا موقف ہے:

> "ادب کے طالب علم کے لیے لغات عصائے راہِ سخن سے کم نہیں۔پرانے شارحوں میں یہ بہت بڑی کمزوری تھی کہ وہ لغت نہ دیکھتے تھے۔"(۲۵)

حقیقت یہ ہے کہ مستند لغات کی رہنمائی کے بغیر شرح نویسی کی سرزمین پر قدم رکھنا مناسب نہیں، سابقہ شروح کے مقابلے میں "تفہیم بالِ جبریل" میں لغت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے اور امکانی حد تک ہر مشکل اور کلیدی لفظ کے معانی عام فہم انداز میں درج کر دیے گئے ہیں۔خواجہ محمد زکریا صرف لفظ کے معانی بتانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ضرورت کے مطابق اس کی مکمل تفہیم کے لیے وضاحتی جملہ بھی لکھ دیتے ہیں۔مثلاً "نقش بند" کے معانی اور پھر وضاحتی نوٹ دیکھیے:

”خالق بنانے والا، صانع؛ یہاں مراد ہے کعبہ و سومنات کے ماننے والے یعنی عبادت گاہوں کے متولی۔“ (۲۶)

اسی طرح ’دلِ جود‘ کے معانی و مفہوم کا ذکر اس طرح آیا ہے:

”کائنات کا باطن، مراد ہے کائنات کے پیچھے چھپے ہوئے اسرار۔“ (۲۷)

بعض الفاظ کے معانی بتاتے ہوئے شاعرانہ انداز بھی آ گیا ہے۔ یوں لگتا ہے گویا طبیعت پر بے حد تخلیقی وفور طاری ہے۔ اس کی وجہ وہ اثرِ شعر بھی ہو سکتا ہے جس کے ہاتھوں تخلیقی شارح بے بس ہو جاتا ہے۔ مثلاً ’صدف‘ کے عام معنی ’سیپی‘ کے ہیں مگر خواجہ صاحب محض اتنے پر اکتفا نہیں کرتے، اس پر یہ شاعرانہ حاشیہ بھی چڑھا دیتے ہیں: ”سیپی۔ جو موتی کی پرورش کرتی ہے۔“ (۲۸)

”تفہیم بالِ جبریل“ میں تراکیب پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ خواجہ محمد زکریا کا عام انداز یہ ہے کہ پہلے ترکیب میں موجود ہر لفظ کا جداگانہ مطلب لکھتے ہیں، پھر ترکیب کے مکمل معانی اور مرادی مفہوم بھی درج کر دیتے ہیں۔ مثلاً ’گوہر شاہوار‘ ایک فارسی ترکیب ہے۔ اس کے معانی و مفہوم کا اندراج اس طرح ہوا ہے:

گہر: موتی، لفظ ’گوہر‘ کا اختصار
شاہوار: شاہوں کے قابل
گوہر شاہوار: ایسا موتی جو بادشاہوں کے قابل ہو۔ (۲۹)

یہ انداز مدرّسانہ ہے مگر بے حد مفید۔ مقصد یہ ہے کہ مفہوم پوری طرح واضح ہو جائے۔ یہ جید اساتذہ کا وہ قرینہ ہے جسے ’خود تشفی‘ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

بعض تراکیب کے بیان میں تفصیل و وضاحت سے کام لیا ہے۔ مثلاً ”غزلیات: حصہ دوم“ کی پہلی غزل میں موجود ایک ترکیب ”طلسم رنگ و بو“ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جب ہم کائنات کو اپنے حواس کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کے رنگوں اور خوشبوؤں وغیرہ ہی میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں اور اس کی تفہیم سے قاصر رہتے ہیں۔ یہ ظاہری کائنات ہے اس لیے اسے طلسم رنگ و بو کہا گیا ہے کہ یہ

حقیقت میں وجود نہیں رکھتی لیکن ہمیں موجود دکھائی دیتی ہے۔" (۳۰)

اسی حصے میں موجود غزل نمبر ۴ کے مطلع کی ترکیب "عالمِ آب و خاک و باد" کے معانی بتانے کے بعد یہ وضاحتی نوٹ درج کرتے ہیں:

> "یہ تخلیق کائنات کا پرانا نظریہ ہے۔ یونانیوں کا خیال تھا کہ دنیا چار عناصر سے مل کر بنی ہے یعنی پانی، آگ، مٹی اور ہوا سے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ عناصر ہی نہیں ہیں۔ بہر حال ادبی دنیا کی روایت میں اس سے مراد ہماری یہ دنیا ہے جس میں متذکرہ چاروں چیزیں بڑی اہم ہیں۔" (۳۱)

حصہ دوم ہی کی غزل نمبر ۵۵ کے ایک شعر میں آنے والی ترکیب "جہانِ گندم وجو" کی وضاحت بھی ملاحظہ کیجیے:

> "جہانِ گندم و جو کی ترکیب استعمال کرکے اقبال نے "گندم نما جو فروش" کے محاورے کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا لفظی مطلب ہے گندم دکھا کر جو بیچنے والا یعنی دھوکے باز۔ دوسرا مفہوم ہے یہ دنیا جس میں گندم اور جو کاشت کیے جاتے ہیں مگر لالہ کی کاشت پر توجہ نہیں دی جاتی۔ گویا یہ ایہام کی ایک قسم ہے۔" (۳۲)

"بالِ جبریل" میں جہاں علامہ اقبال نے فارسی تراکیب کا خوب صورتی کے ساتھ استعمال کیا ہے وہاں اس مجموعے میں ایسے اشعار کی تعداد بھی خاصی ہے جو مکمل طور پر فارسی میں ہیں۔ ایسے اشعار کی شرح کرتے ہوئے خواجہ محمد زکریا نے خصوصیت سے یہ التزام کیا ہے کہ شعر میں موجود قریب قریب ہر لفظ کی لغت فراہم کر دی ہے، اس کے ساتھ آسان اسلوب میں ترجمہ کر دیا ہے اور بعد میں تشریح کی ہے۔ یہ انداز ان قارئین کے لیے بے حد مفید ہے جو فارسی سے واقفیت نہیں رکھتے۔ مثلاً حصہ اوّل میں موجود غزل نمبر ۱۶ کے شعر:

تو برگِ گیاہے ندہی اہلِ خرد را
اُو کشتِ گل و لالہ بہ بخشد بخرے چند

میں مستعمل الفاظ وتراکیب کی لغت اس طرح ترتیب دی ہے:

برگ = پتی، پتا   گیاہ = گھاس (برگِ گیاہے = گھاس کی ایک پتی)

ندہی = تو نہیں دیتا   اہلِ خرد = عقل مند، را = کو، اُو = وہ، اس نے، کشت = کیاری، کھیتی

بہ بخشد = وہ بخشا ہے   بخرے چند = چند گدھوں کو   (خر = گدھا) (۳۳)

اسی غزل میں ایک اور فارسی شعر ہے:

پر سوز و نظر باز و نکوبین و کم آزار
آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خور سند

اس شعر کی لغت بھی دیکھیے:

پر سوز = جس کے دل میں سوز بھرا ہوا ہو   نظر باز = حسن پرست

نکوبیں = نیک مزاج۔ اشیاء میں اچھائی کا پہلو دیکھنے والا

کم آزار = کسی کو نقصان نہ پہنچانے والا   تہی کیسہ = خالی جیب (غریب آدمی)

خور سند = ہشاش بشاش (خوش) (۳۴)

خواجہ محمد زکریا کے نزدیک لغت کس قدر اہم ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اشعار میں آنے والے الفاظ کے مطالب جہاں اُردو میں بیان کرتے ہیں وہاں بعض جگہ ان کے انگریزی مترادفات بھی دے دیتے ہیں۔ غزلیات۔ حصہ 'ب' میں شامل غزل نمبر ۱۴ کی ایک ترکیب ظن و تخمیں کے اُردو معنی قیاس، اندازہ بتانے کے بعد قوسین میں لکھتے ہیں: (Guess Work) اسی طرح نظم "خودی" میں آنے والے فارسی لفظ "باشی" کے معنی اس طرح درج کیے ہیں:

باشی = تو موجود رہے (You Should Exist)

بعض مقامات کے بھی انگریزی مترادفات درج کیے ہیں جیسے دریائے آمو (Oxus) یا ڈینوب (Denube) وغیرہ۔

خواجہ محمد زکریا، شرح کرتے ہوئے بھی انگریزی مترادفات کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ جدید تعلیم یافتہ طبقے تک کلامِ اقبال ان کے مانوس اسلوب میں پہنچانا چاہتے ہیں۔ انگریزی مترادفات کی چند مثالیں دیکھیے:

بنے بنائے راستوں (Beaten Tracks)	جنوں یا عشق (Higher Intellect)
فیضان (Inspiration)	علم نجوم (Astronomy)
رویا (Vision)	طریق کار (Approch)
آدرش (Ideals)	سرچشموں (Sources)
ثنویت (Daulism)	سامانِ تعیش (Luxuries) وغیرہ۔

"تفہیم بالِ جبریل" کے حصہ لغت میں کہیں کہیں الفاظ کی صرفی حیثیت پر بھی عمدہ اشارے آگئے ہیں۔ جیسے غزل نمبر۳ کے ایک شعر میں "طائرک" کا لفظ آیا ہے۔اس سے متعلق لکھتے ہیں:

> "طائرک = چھوٹا سا پرندہ، معمولی سا پرندہ (فارسی میں اسم اور صفت کے ساتھ 'ک' کا اضافہ کرنے سے تصغیر بن جاتی ہے۔
> طائر = پرندہ طائرک = حقیر پرندہ۔" (۳۵)

خواجہ محمد زکریا نے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے اصطلاحات، اشخاص و اماکن، تلمیحات اور تضمینات کی وضاحت بھی کی ہے۔ غزلیات (حصہ ب) کی غزل نمبر۲۴ کا مطلع ہے:

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

خواجہ محمد زکریا 'خرد' اور 'نظر' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "خبر اور نظر کلامِ اقبال کی دو معروف اصطلاحیں ہیں۔ خبر سے مراد ہے وہ علم جو حواس خمسہ کی مدد سے حاصل کیا جائے۔ دنیا کا تمام علم خواہ وہ سائنس ہو یا فنون، حواس خمسہ ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ نظر سے مراد وجدانی علم ہے جو ماورائے حواس ہے اور انکشاف یا الہام کی صورت میں آتا ہے۔ الہام تو خدا کے خاص بندوں کو ہوتا ہے مگر انکشاف کے ذریعے علم ہو جانا بہت سے لوگوں کے لیے ممکن ہے۔ انکشاف یا وجدان اقبال کے ہاں عقل کی ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔جب کسی شخص کو کسی مخصوص شعبے میں بے حد مہارت حاصل ہو جاتی ہے

تو اس کے بارے میں فوری طور پر صحیح نتائج اخذ کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ یہی وجدان یا نظر ہے۔" (۳۶)

'خودی' اقبال کا تصورِ خاص اور اہم ترین مجرد علامت ہے۔ اس کی وضاحت ان لفظوں میں کی گئی ہے:

"خودی = اقبال کے نزدیک انفرادی شخصیت کا نام خودی ہے۔ اپنی شخصی صلاحیتوں کو جاننا اور پھر عملِ پیہم کے ذریعے انہیں معراج کمال تک پہنچانا ہی تخلیقِ انسانی کا مقصد ہے۔ اسی طرح خودی اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ کائنات کی تسخیر اس کے لیے سہل ہو جاتی ہے۔" (۳۷)

"بالِ جبریل" کی نظم "حال و مقام" میں تصوف سے متعلق بعض معروف اصطلاحات کا استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے احوال و مقامات سے متعلق مختصر وضاحتی جملے دیکھیے:

احوال = حال کی جمع (تصوف کی اصطلاح) مراد وہ کیفیت جس میں خدا کے راستے میں نکلنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے اس کی اپنی واردات ہے۔
مقامات = مقام کی جمع (تصوف کی اصطلاح) خدا رسیدہ لوگوں کے مختلف درجے مثلاً ابدال، قطب، غوث، ولی وغیرہ۔ (۳۸)

ان کے علاوہ دیگر اصطلاحات جیسے صوفی وملّا، علم و عرفان، عقل و عشق، ذات و صفات، زمان ومکان نیز فقر، قلندر، سالک اور ایازی وغیرہ پر بھی مختصر مگر جامع شذرات تحریر کیے گئے ہیں۔ "بالِ جبریل" میں بہت سی شخصیات اور مقامات کا ذکر آیا ہے۔ شارحین نے مذکورہ شخصیات واماکن کا اپنے اپنے انداز میں تعارف کرایا ہے۔ خواجہ محمد زکریا نے بھی تمام شخصیات پر تعارفی نوٹ لکھے ہیں۔ وہ شخصیت کی مناسبت سے مختصر یا قدرے وضاحتی شذرہ لکھتے ہیں۔ مولانا رومی، شیخ احمد سرہندی، فخر الدین رازی، حکیم سنائی، ابو ذر غفاریؓ، اویس قرنیؓ، خوش حال خاں خٹک، امیر تیمور، نادر شاہ، افغان، امام غزالی، سنجر، گاندھی، مصطفیٰ کمال پاشا، ابو الحسن اشعری، ابو العلامعری، معتمد، عبدالرحمٰن الدّاخل، طارق بن زیاد، مسولینی اور نپولین بونا پارٹ جیسی شخصیات کے تعارف میں کسی قدر وضاحت سے کام لیا ہے جب کہ

خسرو پرویز، آزر، فرید الدین عطار، منصور حلاج، بی بی فاطمہ زہراؓ، اسرافیل، فردوسی، مرزا صائب تبریزی، چنگیز خان، قارون، افلاطون، راس مسعود، سیّد سلیمان ندوی، جمشید، بو علی سینا، ہارون الرشید، سلیم، نطشے، طغرل، فارابی، جنید بغدادی، بایزید بسطامی، قطب الدین ایبک، شہاب الدین غوری، مسعود سعد سلمان، علامہ محمود زمخشری، نوشیرواں عادل اور لینن وغیرہ کے متعلق مختصر اور ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔خواجہ محمد زکریا نے جس شخصیت کا بھی تعارف کرایا ہے اس کے نام کے سامنے قوسین میں مدتِ حیات کا تعین کر دیا ہے جیسے مولانا جلال الدین رومی (۱۲۰۷ء۔۱۲۷۳ء) یا فخر الدین رازی (۱۱۴۹ء۔۱۲۰۹ء) وغیرہ۔اس اہتمام کی وجہ سے ''تفہیم بالِ جبریل'' میں تحقیقی رنگ آگیا ہے۔مذکورہ شخصیات سے متعارف ہونے کے بعد قاری کے لیے تفہیم شعر کا عمل آسان ہو جاتا ہے۔

''تفہیم بالِ جبریل''میں بعض مقامات کا تعارف تفصیل سے کرایا گیا ہے اور ان کی تاریخی و تہذیبی اہمیت پر بھی اشارے کر دیے گئے ہیں جیسے ترکستان، اندلس، روۃ الکبریٰ وغیرہ جب کہ باقی اماکن کا ذکر بہت اختصار سے آیا ہے۔ان میں تبریز، اصفہان، سمرقند، دِلّی، نجف، کابل، غزنی، ہرات، طائف جیسے شہر، راوی، نیل، فرات، جیسے دریا اور کوہِ دماوند اور الوند جیسے پہاڑی سلسلے شامل ہیں۔

خواجہ محمد زکریا نے ''بالِ جبریل'' میں استعمال ہونے والی تمام تلمیحات پر بھی مختصر اشارے کیے ہیں جب کہ بعض کم مانوس تلمیحات پر وضاحت سے لکھا ہے جیسے غزلیات (حصہ الف) کی غزل نمبر۶ کا ایک شعر ہے:

کہیں اُس عالم بے رنگ و بو میں بھی طلب میری
وہی افسانۂ دنبالۂ محمل نہ بن جائے

اس شعر میں ''افسانۂ دنبالۂ محمل'' کی تلمیح استعمال ہوئی ہے۔خواجہ محمد زکریا اس کے پس منظر میں اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

''افسانۂ دنبالۂ محمل'' سے مراد مجنوں کے بارے میں ایک مشہور واقعہ ہے۔کہا جاتا ہے کہ مجنوں لیلیٰ کی تلاش میں صحراؤں کی خاک چھانتا پھرتا تھا۔اچانک اسے لیلیٰ کی اونٹنی اور اس پر سجا ہوا محمل نظر آیا۔وہ اس کے پیچھے لپکا مگر اسی وقت اس کے پاؤں میں ایک مہلک کانٹا چبھ گیا اور چلنا محال ہوگیا۔وہ بیٹھ کر کانٹا

ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

نکالنے لگا۔ جب کانٹا نکال چکا تو محمل غائب ہو چکا تھا۔ پھر وہ تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا مگر محمل دوبارہ نظر نہ آیا۔ گویا:

> "افسانۂ دنبالۂ محمل" سے مراد لیلیٰ کی تلاش میں ناکام اور نامراد رہ جانے والا واقعہ ہے۔"(۳۹)

"بالِ جبریل" کے ایسے اشعار جن میں کسی قرآنی آیت یا حدیثِ رسولؐ کو بہ طور تلمیح استعمال کیا گیا ہے ان کی شرح کرتے ہوئے خواجہ محمد زکریا نے پوری احتیاط سے مذکورہ آیت یا حدیث کا عربی متن اور اس کا اُردو ترجمہ درج کیا ہے۔ قرآن پاک کے حوالے سے انھوں نے مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمۂ قرآن پر انحصار کیا ہے۔

"تفہیم بالِ جبریل" میں شرح نویسی کی عام روایت کے مطابق تفہیم شعر اور تعبیر شعر میں جابجا فارسی اور اُردو اشعار سے استنباط کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں دیگر شعراء کے کلام سے کہیں زیادہ خود علامہ اقبال کے اپنے اشعار سے بہ کثرت حوالے دیے گئے ہیں۔ ان حوالہ جات کو ایک نظر دیکھنے سے ہی شارح کی وسعتِ نظر، وسیع مطالعہ اور شان دار شعری ذوق کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ خواجہ محمد زکریا نے جن فارسی شعراء سے استشہاد کیا ان میں خصوصیت سے سعدی، رومی، حافظ، سنائی، فرخی، صائب، ملک قمی، مسعود سعد سلمان اور فردوسی وغیرہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ غیر معروف شعراء میں نخشبی کا نام اہم ہے جس کے ایک شعر کو بہ طور استناد استعمال کیا گیا ہے۔ "تفہیم بالِ جبریل" میں اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ جہاں بھی حوالے کے طور پر فارسی شعر آیا ہے، ساتھ ہی اس کا آسان اور قابل فہم ترجمہ دے دیا گیا ہے تاکہ فارسی کے ناخواندہ قارئین بھی استفادہ کرسکیں۔ اُردو شعراء میں میر، غالب، مومن، ذوق، حالی، اکبر اور یگانہ کے اشعار موقع محل کی مناسبت سے آئے ہیں۔ یوں فارسی و اُردو شعری روایت کے تناظر میں اقبال کی تخلیقی انفرادیت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

"تفہیم بالِ جبریل" کی سب سے بڑی خوبی اس کی تنظیم اور غیر معمولی توازن ہے۔ یہ توازن آسانی سے پیدا نہیں ہوتا۔ خواجہ محمد زکریا نے بہت توجہ اور محنت سے کلامِ اقبال کا مطالعہ کیا ہے۔ انھیں فکرِ اقبال سے طبعی مناسبت ہے جس کا اظہار وہ برابر اپنی تحریروں میں کرتے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ خود شاعر

ہیں اور اچھا شعری ذوق رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر ان کے ہاں غایت درجے کی علمی سنجیدگی پائی جاتی ہے جس کے بغیر کوئی بڑا کام کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ وہ عام طور پر اپنے بارے میں بڑے دعوے کرتے ہیں نہ علمی نرگسیت کا شکار نظر آتے ہیں بلکہ اس کے علی الرغم ان کے ہاں احساسِ عجز اور کسر نفسی کی کیفیت غالب ہے۔ مثلاً وہ اعتراف کرتے ہیں کہ "شارح کلامِ اقبال کے لیے جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے ان میں سے اکثر مجھ میں نہیں ہیں۔" (۲۰) تاہم "تفہیم بالِ جبریل" کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس مقصد کے لیے موزوں ترین شخص ہیں۔ خواجہ محمد زکریا، اُردو کے علاوہ فارسی اور انگریزی ادبیات پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں اور ان زبانوں پر قدرت کے ساتھ مناسب حد تک عربی سے بھی واقف ہیں۔ انہیں تاریخ، تمدن اور سیاسیاتِ عالم سے بھی دل چسپی ہے اور وہ براہِ راست عالمی سیاحت کا تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ وہ فلسفہ و تصوف کے بنیادی مسائل کو بھی سمجھتے ہیں اور قدیم وجدید سائنسی انکشافات سے بھی واقف ہیں۔ ان تمام وسائل کے ساتھ ساتھ تفہیم اقبال کے لیے جس وسعتِ نظر اور قلبِ صمیم کی ضرورت ہے وہ ان خصوصیات سے بھی بہرہ ور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "تفہیم بالِ جبریل" میں ان کے نتائجِ فکر بہت منظّم اور متوازن ہیں۔

خواجہ محمد زکریا نے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے نہ تو یوسف سلیم چشتی جیسا غیر ہموار انداز اختیار کیا ہے اور نہ ہی مولانا غلام رسول مہر کی طرح تکلیف دہ اختصار سے کام لیا ہے۔ ان پیش رو شارحین کے مقابلے میں انھوں نے مناسب وضاحت سے کام لیا ہے۔ کسی شعر کی تشریح ایک صفحے سے زیادہ نہیں، عام طور پر یہ ایک پیراگراف میں بات مکمل کر لیتے ہیں۔ شعر کی شرح کرتے ہوئے وہ پہلے اقبال کا مفہوم کسی آمیزش کے بغیر پیش کرتے ہیں، بعد ازاں وہ متن سے مترشح ہونے والے مرادی مفہوم کو بھی وضاحتی نوٹ کے ساتھ درج کر دیتے ہیں۔ مرادی مفہوم بیان کرنے سے پہلے وہ "شعر کا مطلب یہ ہے کہ..."، "شاید اس میں یہ اشارہ ہو کہ..."، "غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ"، "میرے نزدیک اس شعر میں ..." جیسے جملوں سے پیش بندی کر لیتے ہیں۔ خواجہ محمد زکریا نے تقلیدِ محض سے بچتے ہوئے قدرے جدید اور معروضی انداز میں اشعار کو سمجھنے کی کوشش کی ہی۔ اس ضمن میں ان کا اسلوب توجہ طلب ہے جس میں سادگی، شفافیت اور راست انداز کے ساتھ واضح قطعیت بھی موجود ہے۔ "تفہیم بالِ جبریل" کے "پیش لفظ" میں

خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں کہ ”حتی الامکان مشکلات اور ابہامات کو دور کرنے سعی کی گئی ہے اور اپنی دانست میں کسی اُلجھن کو سلجھائے بغیر نہیں چھوڑا گیا۔“ (۴۱)

یہ دعویٰ بڑی حد تک درست ہے تاہم ”بالِ جبریل“ کے بعض اشعار اتنے مبہم ہیں کہ وہاں پورے یقین سے بات کرنا ممکن نہیں رہتا۔ خواجہ محمد زکریا جہاں تعینِ معنی کے مرحلے میں غیر مطمئن نظر آتے ہیں وہاں وہ قاری کو گم راہ کرنے کی بجائے بڑی صاف گوئی کے ساتھ اعترافِ عجز کر لیتے ہیں۔ مثلاً غزلیات۔ (حصہ الف) میں شامل غزل نمبر ۱۶ کا ایک شعر ہے:

مدت سے ہے آوارۂ افلاک مرا فکر
کر دے اسے اب چاند کے غاروں میں نظر بند

اس کی تفہیم کرتے ہوئے شارح صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس شعر کا مفہوم قطعیت سے بیان کرنا مشکل ہے۔“ (۴۲)

اسی طرح مذکورہ حصے کی غزل نمبر ۱۴ کا ایک شعر ہے:

بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
اِک ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں

اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس شعر میں اس بات کا تعین دشوار ہے کہ ”تری بے حجابی“ میں تری کا اشارہ کس طرف ہے؟ خدا کی طرف یا آسمان کی طرف۔“ (۴۳)

حصہ ”رباعیات“ میں شامل رباعی نمبر ۳۲ میں کسی شخصیت ”بوالحسن“ کا ذکر آیا ہے۔ یوسف سلیم چشتی کے مطابق یہ ابوالحسن اشعری ہیں جب کہ غلام رسول مہر نے ابوالحسن خرقانی تحریر کیا ہے۔ خواجہ محمد زکریا نے یہاں بھی راست گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا:

”میں تحقیق نہیں کر سکا کہ ابوالحسن خرقانی کون بزرگ تھے۔“ (۴۴)

خواجہ محمد زکریا، جہاں مفہوم کے تعین میں دشواری محسوس کرتے ہیں وہاں عموماً ”میرا خیال

ہے" یا "غالباً" جیسے تمہیدی الفاظ اتمام حجت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

خواجہ محمد زکریا، نے سابقہ شروح کو دقتِ نگاہ سے دیکھا ہے۔ وہ یوسف سلیم چشتی اور غلام رسول مہر کی شرحوں کو بہتر سمجھتے ہیں۔ انہوں نے بعض اشعار کی تفہیم میں ان شارحین سے استفادہ بھی کیا ہے مگر ان کے ہاں تکرار نہیں ہے۔ وہ جہاں مذکورہ شرحوں کی تائید کرتے ہیں وہاں اختلافی و تردیدی رائے کو بھی ٹھوس دلائل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ مثلاً غزلیات (حصہ الف) کی دوسری غزل کا ایک شعر ہے:

محمدؐ بھی ترا، جبریل بھی، قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا؟

اس شعر کی شرح میں یوسف سلیم چشتی اور دیگر شارحین سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس شعر کی بنیادی اُلجھن "حرفِ شیریں" کی ترکیب ہے۔ یوسف سلیم چشتی کے بقول اس سے مراد "جذبۂ عشق" ہے۔ مگر شعر میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں جس سے یہ مفہوم اخذ کیا جائے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد قرآنِ پاک ہے مگر یہ اس لیے درست نہیں کہ "قرآن" پہلے مصرعے میں موجود ہے اور دوسرے مصرعے میں حرفِ جزا "مگر" کے بعد "قرآن" کا لفظ دوبارہ لانا موزوں نہیں۔ "مگر" کے بعد دوسرے مصرعے میں پہلے مصرعے کے کسی بنیادی لفظ کی تکرار نہیں ہونی چاہیے۔" (۴۵)

اس تردیدی رائے کے بعد وہ "حرفِ شیریں" کو انسان کی تخلیقی صلاحیتوں یعنی فنونِ لطیفہ کے مفہوم میں بیان کرتے ہیں جو بہت حد تک درست معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح "بالِ جبریل" کی غزلیات (حصہ ب) کی غزل نمبر ۲۴ کا ایک شعر ہے:

گراں بہا ہے تو حفظِ خودی سے ہے ورنہ
گہر میں آبِ گہر کے سوا کچھ اور نہیں

خواجہ محمد زکریا مذکورہ شعر میں "آبِ گہر" کے مفہوم سے متعلق دیگر شارحین سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کا مؤقف ہے کہ:

"اس شعر کی شرح کرتے ہوئے تمام شارحین نے آبِ گہر سے موتی کی چمک مراد لی ہے لیکن یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ دوسرے مصرعے میں کہا گیا ہے کہ گہر میں اور کچھ نہیں ہے صرف "آبِ گہر" ہے۔ اگر یہاں "آب" سے چمک مراد لی جائے تو محض چمک کسی موتی کو قیمتی نہیں بنا سکتی۔ جھوٹے گوہر اور نگینے بسا اوقات ویسی ہی چمک رکھتے ہیں جیسی کہ سچے گوہروں اور نگینوں میں ہوتی ہے۔" (۴۶)

خواجہ محمد زکریا نے اس اختلافی رائے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اقبال کے مطابق پانی کا قطرہ ایک حقیر اور بے قیمت چیز ہے لیکن اتنی بے کار چیز بھی خودی کی حفاظت سے بیش قیمت بن جاتی ہے۔ وہ اس رائے کی تائید میں "اسرارِ خودی" سے ایک شعر اور "پیامِ مشرق" کی نظم "قطرۂ آب" کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔

خواجہ محمد زکریا، شعر میں معنی کی تکثیریت کے قائل ہیں۔ وہ جہاں متن میں موجود واضح اور سامنے کے معنی بیان کرتے ہیں وہاں غور و فکر کے بعد اس کی دیگر معنوی پرتوں کو بھی آشکار کرتے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی بھی تعبیر شعر میں اسی نظریے کے قائل ہیں۔ ان کے مطابق:

"شعر کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم اس کے باریک ترین معنی تلاش کریں اور جتنے کثیر معنی شعر میں ممکن ہوں، ان کو دریافت کریں۔" (۴۷)

"بالِ جبریل" کی آخری مذکورہ غزل ہی کا ایک شعر ہے:

جسے کساد سمجھتے ہیں تاجرانِ فرنگ
وہ شے متاعِ ہنر کے سوا کچھ اور نہیں

خواجہ محمد زکریا نے اس شعر کے تین مطلب بتائے ہیں جنہیں اختصار سے پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ یورپ کے تاجر جس چیز کو گھاٹے کا سودا سمجھتے ہیں وہ مقامی لوگوں کے ہنر یعنی دست کاریاں وغیرہ ہیں۔

۲۔ اس کا ایک اور مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اہلِ ہند میں کوئی بھی ہنر موجود ہو وہ اہلِ مغرب کی نگاہ میں نہیں جچتا۔

۳۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یورپ کے لوگ زندگی کی اچھی اچھی اقدار کو جوانسانوں کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں، دنیا کے لیے باعثِ نقصان سمجھتے ہیں۔ گویا زندگی سے اچھی اقدار کو خارج کر رہے ہیں اور مادی نظریات کی ترویج کرکے دنیا کے سکون کو برباد کر رہے ہیں۔(۴۸)

"تفہیم بالِ جبریل" میں معنی یابی کی بعض دل چسپ مثالیں بھی موجود ہیں۔ مثلاً "ساقی نامہ" کا ایک معروف شعر ہے جس میں چین میں بے داری کی طرف اشارہ ہے:

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے

خواجہ محمد زکریا نے چینی انقلاب کا ذکر کرنے کے بعد اس پیش گوئی کو کشمیر کی تحریکِ آزادی سے منسوب کر دیا ہے۔ ان کے لفظوں میں:

"ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے" سے مراد کشمیر میں آزادی کی تحریک بھی ہو سکتی ہے۔"(۴۹)

خواجہ محمد زکریا، نے "بالِ جبریل" کے حصہ منظومات کی شرح میں کسی حد تک مولانا غلام رسول مہر سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا مہر اکثر نظموں کی تشریح سے قبل ان کا تاریخی پس منظر پیش کر دیتے ہیں۔ اس روایت کو زیادہ تحقیقی انداز میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اختیار کیا اور تمام ماخذات و مصادر کو یک جا کرکے "اقبال کی طویل نظمیں: فکری اور فنی مطالعہ" تصنیف کی۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے بھی ان پیش رو شارحین کے انداز کو اختیار کیا اور بہت سی نظموں کا تاریخی و سیاسی پس منظر پیش کیا جس سے نظم اپنے مخصوص تناظر میں قابلِ فہم ہو جاتی ہے۔ "تفہیم بالِ جبریل" میں نظم کے عنوان کے بعد "تمہید" کا التزام کیا گیا ہے جس میں زیر مطالعہ نظم کا فکری پس منظر اور بعض مفید معلومات فراہم کر دی گئی ہیں۔ طویل نظموں کے لیے سہولت کی خاطر "نظم کا خلاصہ" درج کیا گیا ہے جس میں نمبر شمار کے تحت ترتیب سے ایک ایک بند کی تلخیص پیش کی گئی ہے۔ مختصر نظموں کا پہلے تعارف اور پھر بنیادی خیال دیا گیا ہے۔ اس کے بعد "لفظی مشکلات" کے عنوان سے مشکل الفاظ کے معانی بتائے گئے ہیں اور پھر شرح و تفہیم کا حصہ آتا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے "مسجد قرطبہ"، "قید خانے میں معتمد کی فریاد"، "عبدالرحمٰن اوّل کا بویا ہوا کھجور کا

ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

درخت"، "طارق کی دُعا"، "ذوق و شوق"، "گدائی"، "ساقی نامہ"اور "جاوید کے نام" جیسی نظموں کی تمہید، پس منظر اور بنیادی خیال کے ضمن میں محققانہ انداز اختیار کیا ہے۔ وہ جہاں مہر و ہاشمی سے استفادہ کرتے ہیں وہاں تازہ تحقیقی مواد بھی فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً نظم "عبدالرحمٰن اوّل کا بویا ہوا کھجور کا درخت" کی تمہید میں جہاں عبدالرحمٰن الداخل کا تعارف کرایا ہے وہاں ڈاکٹر خورشید رضوی کی کتاب "تالیف" سے ایک اقتباس درج کیا ہے جس سے نظم کے پس منظر پر روشنی پڑتی ہے۔ شارح نے عبدالرحمٰن اوّل کی اس نظم کا آزاد ترجمہ بھی دیا ہے جو نظم کے پہلے بند کا ماخذ ہے۔ نظم "قید خانے میں معتمد کی فریاد" کا تعارف بھی تحقیقی ہے۔ خواجہ محمد زکریا نے یہاں بھی ڈاکٹر خورشید رضوی کی مذکورہ کتاب سے معتمد کی عربی نظم کا نثری ترجمہ دیا ہے جس سے قارئین کو اصل نظم سے متعلق واقفیت ملتی ہے۔ نظم "جاوید کے نام" کی تمہید میں ڈاکٹر صدیق جاوید کے ایک مضمون بہ عنوان "جاوید کے نام" (فکری، فنی اور تشریحی مطالعہ) سے استفادہ کرتے ہوئے نظم کی تشریح کی گئی ہے۔ یہاں شارح نے ڈاکٹر جاوید اقبال کی تصنیف "زندہ رُود" (جلد سوم) سے ایک اقتباس بھی پیش کیا ہے جس سے نظم کا مکمل پس منظر سامنے آجاتا ہے۔ نظم "خوش حال خان کی وصیت" میں میر عبدالصمد خان کی تصنیف "خوش حال و اقبال" کے حوالے سے دعویٰ کیا ہے کہ اقبال نے خوش حال خان خٹک کے کلام سے آشنائی ایک پٹھان فوجی صوبے دار سجید گل سے حاصل کی۔ خواجہ محمد زکریا نے "بالِ جبریل" میں شامل نظم "ماہر نفسیات سے" کا تجزیہ کرتے ہوئے خطباتِ اقبال میں شامل آخری خطبے "Is Religion Possible" سے ایک انگریزی اقتباس دیا ہے جس سے فرائڈ، ژونگ اور ولیم جیمز کے نظریات سے متعلق اقبال کے نثری خیالات سامنے آجاتے ہیں۔ "تفہیم بالِ جبریل" میں موجود تحقیقی مواد سے جہاں نظموں کی تفہیم میں سہولت ہوتی ہے وہاں قاری کے ذہنی پس منظر میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مذکورہ ماخذات کے علاوہ بھی خواجہ محمد زکریا نے اپنے استدلال کو تحقیقی رنگ دینے کے لیے جعفر علی اثر کی کتاب "چھان بین"، عبداللہ قریشی کی "حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں"، پروفیسر مرزا محمد منور کی "میزان" اور محمد حمزہ فاروقی کی "سفر نامۂ اقبال" سے اقتباسات پیش کیے ہیں۔

انہوں نے بعض نظموں کی تفہیم کرتے ہوئے مغربی ادب کے بھی حوالے دیے ہیں جیسے "مسجد قرطبہ" کے اس شعر سے انہیں ورڈزورتھ کی نظم "Solitary Reapear" کی یاد آتی ہے۔ (۵۰)

سادہ و پر سوز ہے دخترِ دہقاں کا گیت
کشتیِ دل کے لیے سیل ہے عہد شباب

اسی طرح ”ساقی نامہ“ کے درج ذیل اشعار کے تجزیے کے دوران انھوں نے مشہور شاعر ٹینی سن کی نظم ”The Brook“ اور ساؤدے کی نظم ”How the Water comes down at Lodore“ کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ (۵۱)

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
اٹکتی لچکتی سرکتی ہوئی
اچھلتی پھسلتی سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے ”تفہیم بالِ جبریل“ میں جہاں تحقیقی انداز اختیار کیا ہے وہاں بعض مقامات پر ان سے چوک بھی ہوئی ہے۔ مثلاً غزلیات (حصہ ب) میں شامل غزل نمبر ۱۷ کا مطلع درج کرنے کے بعد نوٹ لکھا ہے:

”یہ غزل، جیسا کہ اقبال نے خود ہی صراحت کی ہے، لندن میں لکھی گئی۔ معلوم نہیں دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر کہی گئی یا تیسری کے دوران... دونوں کانفرنسیں موسم سرما میں منعقد ہوئیں۔“ (۵۲)

اس غزل کے آخری شعر میں اٹلی کے صدر مقام ”رومۃ الکبریٰ“ کا ذکر آیا ہے اور یہ بات سب کے علم میں ہے کہ اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے بعد اٹلی گئے تھے جہاں مسولینی سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ گویا یہ غزل دوسری گول میز کانفرنس کے سلسلے کی یادگار ہے۔ مذکورہ شعر درج ذیل ہے:

سوادِ رومۃ الکبریٰ میں دلّی یاد آتا ہے
وہی عبرت، وہی عظمت، وہی شانِ دلاویزی

”تفہیم بالِ جبریل“ کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں صحتِ متن کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ کتابت اور پروف ریڈنگ کی چند غلطیوں سے قطع نظر کتاب کا مجموعی متن بہت اعلیٰ ہے۔ خواجہ محمد زکریا،

ضرورت کی حد تک رموزِ اوقاف کا بھی اہتمام کرتے ہیں اور مشکل الفاظ پر اعراب بھی لگا دیتے ہیں تاکہ قارئین تلفظ کی ادائی میں غلطی نہ کریں۔

خواجہ محمد زکریا نے "بالِ جبریل" کی شرح کرتے ہوئے بیشتر متقدمین کی طرح خود کو مفاہیم تک محدود رکھا ہے اور کلام میں موجود فنی محاسن سے اعتنا نہیں کیا البتہ بعض اصنافِ سخن کی ماہیت پر ضروری روشنی ڈالی ہے جیسے قطعہ، رباعی اور دوبیتی کا فرق واضح کیا ہے۔ اسی طرح بعض غزلیات کا تجزیہ کرتے ہوئے ہم زمین ماخذات کی نشان دہی کی ہے جیسے غزلیات (حصہ ب) کی غزل نمبر ۳۰ کا مطلع درج کرکے انشا کی اسی زمین میں لکھی گئی غزل کا حوالہ دیا ہے:

ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
کیا چاند تارے، کیا مرغ و ماہی

اس زمین میں انشاؔ کی غزل کا مطلع کچھ اس طرح ہے:

یہ کیا تجھے ہے خواہی نخواہی
مجھ سے یہ بکنا واہی تباہی (۵۳)

"تفہیم بالِ جبریل" کے لیے خواجہ محمد زکریا نے جو اسلوب استعمال کیا ہے وہ بے حد معیاری اور موزوں ہے۔ ان کا یہ دعویٰ درست ہے کہ "یہ شرح اپنے سہل اندازِ تحریر کی وجہ سے پسند کی گئی ہے۔" (۵۴)

خواجہ محمد زکریا نے سادہ، شفاف اور شائستہ اندازِ تحریر اختیار کیا ہے اور ضرورت کے مطابق ایجاز واختصار یا شرح وبسط سے کام لیا ہے۔ ان کے ہاں تحقیقی انداز بھی ہے اور تنقیدی بھی۔ وہ سابقہ شارحین سے اتفاق بھی کرتے ہیں اور ان کے ہاں تردیدی یا اختلافی آراء بھی ملتی ہیں۔ بعض اشعار کی شرح میں اُن کا اپنا نقطۂ نظر ضرور غالب ہو جاتا ہے تاہم مجموعی طور پر یہ شرح روایتی ہونے کے باوجود اپنے سائنٹفک انداز، جدید نتائجِ فکر، عام فہم اور سہل اندازِ تحریر کی وجہ سے جدت وانفرادیت کا رنگ لیے ہوئے ہے۔

حواشی

۱۔ یوسف سلیم چشتی، شرحِ بالِ جبریل (لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، س۔ن)، ص ۳۔

۲۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اوّل، ۱۹۸۲ء)، ص ۲۹۔

۳۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اقبالیات: چند نئی جہات (لاہور: بزمِ اقبال، طبع اوّل، ۲۰۰۴ء)، ص ۱۳۸۔

۴۔ یوسف سلیم چشتی نے بالِ جبریل کی بجائے اس شرح میں عنوان کے ساتھ ہر جگہ جبرئیل ہی کتابت کرا دیا ہے۔

۵۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے مطابق شرح بالِ جبرئیل پہلی مرتبہ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی۔

۶۔ ڈاکٹر اختر النساء، مقالاتِ یوسف سلیم چشتی (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۲۔

۷۔ دیکھیے: یوسف سلیم چشتی، شرح ضرب کلیم (لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۶ء)، ص ۱۴۱:۱۴۰۔

۸۔ ایضاً، ص ۴۔

۹۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اقبالیات: چند نئی جہات، ص ۱۳۰۔

۱۰۔ ڈاکٹر اختر النساء، شروحِ کلامِ اقبال کا مجموعی جائزہ (لاہور: بزمِ اقبال، ۲۰۱۵ء)، ص ۵۳۰۔

۱۱۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ۱۹۸۴ء کے اقبالیاتی ادب کا جائزہ، جولائی ۱۹۸۵ء، ص ۸۷۔

۱۲۔ مولانا غلام رسول مہر، اقبالیات، مرتبہ: امجد سلیم علوی (لاہور: مہر سنز لمیٹڈ، ۱۹۸۸ء)، ص ۲۰۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۴۸۔

۱۴۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اقبالیات: چند نئی جہات، ص ۱۴۱۔

۱۵۔ ڈاکٹر شفیق احمد، مولانا غلام رسول مہر حیات اور کارنامے، ص ۳۹۳۔

۱۶۔ مولانا غلام رسول مہر، مطالب بالِ جبریل (لاہور: غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۷ء)، ص ۱۴۵۔

۱۷۔ ڈاکٹر اختر النساء، شروحِ کلامِ اقبال، ص ۲۲۳۔

۱۸۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، پیش لفظ: تفہیم بالِ جبریل (لاہور: بزمِ اقبال، طبع ثانی، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۸۔

۱۹۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اقبالیات: چند نئی جہات، ص ۱۴۲۔

۲۰۔ ایضاً۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، پیش لفظ: تفہیم بالِ جبریل۔

۲۳۔ ایضاً۔

۲۴۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، تفہیم بالِ جبریل، ص۵۵۔

۲۵۔ ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی، تفہیم غالب، ص۱۹۔

۲۶۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا،تفہیم بالِ جبریل، ص۶۔

۲۷۔ ایضاً، ص۷۔

۲۸۔ ایضاً، ص۱۲۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ ایضاً، ص۵۶۔

۳۱۔ ایضاً، ص۴۷۔

۳۲۔ ایضاً، ص۲۰۰۔

۳۳۔ ایضاً، ص۴۸۔

۳۴۔ ایضاً، ص۵۲۔

۳۵۔ ایضاً، ص۱۳۔

۳۶۔ ایضاً، ص۱۲۷۔

۳۷۔ ایضاً، ص۵۶۔

۳۸۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا،تفہیم بالِ جبریل، ص۳۰۴۔

۳۹۔ ایضاً، ص۲۱۔

۴۰۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا،اقبالیات: چند نئی جہات، ص۱۴۲۔

۴۱۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، پیش لفظ: تفہیم بالِ جبریل۔

۴۲۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا،تفہیم بالِ جبریل، ص۵۰۔

۴۳۔ ایضاً، ص ۴۲۔

۴۴۔ ایضاً، ص ۲۳۵۔

۴۵۔ ایضاً، ص ۱۰: ۹۔

۴۶۔ ایضاً، ص ۱۲۸۔

۴۷۔ ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی، تفہیم غالب، ص ۱۶۔

۴۸۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، تفہیم بالِ جبریل، ص ۱۲۸۔

۴۹۔ ایضاً، ص ۳۳۰۔

۵۰۔ ایضاً، ص ۲۷۰۔

۵۱۔ ایضاً، ص ۳۲۷۔

۵۲۔ ایضاً، ص ۱۰۷۔

۵۳۔ ایضاً، ص ۱۴۴۔

۵۴۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، دیباچہ: تفہیم بالِ جبریل، اشاعت دوم۔